نادیہ امین

تیز چیخ وپکار نے اس نے کانوں کے پردے گویا پھاڑ دیے تھے۔ مندی آنکھوں سے اٹھتے اپنے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ کر اس نے ان چیخوں سے فرار چاہی تھی، مگر بے سود تھا' زین گلا پھاڑے ماں پر چیختا چلاتا شاید چلا گیا تھا کہ تمام آوازیں تھم گئی تھیں۔

کسلمندی سے اٹھتے ہوئے پاؤں میں چپل اڑسے قدرے ڈھیلی چال سے وہ کچن میں آئی۔ ماں زین کے جانے کے بعد رونے میں مصروف تھی۔ کچن میں ڈرے سہمے بہن' بھائی سوکھی روٹی کے ساتھ چائے پینے میں مصروف تھے۔ ماں کی حالت دیکھ کر تو گویا ہر قسم کی بھوک ہی مٹ گئی تھی۔ وہ پلٹنے لگی کہ اماں پکار بیٹھی۔

"ناشتا نہیں کرو گی۔" ان کی رندھی ہوئی آواز میں کتنا درد تھا۔

"نہیں۔" وہ کچن سے آکر اپنے کمرے کی صفائی کرنے لگی۔

یہ روز کا ڈرامہ تھا' روز زین چیختا چلاتا مزدوری پر جاتا۔ وہ شاید تھکنے لگا تھا۔ یہ مزدوری اس طرح اس کی قسمت میں لکھ دی جائے گی۔ ان میں سے کسی کو بھی گمان تک نہ تھا۔ بستر جھاڑ کر جھاڑو لگا کر وہ اپنے ابا کے پاس چلی آئی۔ وہ چادر اوڑھے گہری نیند سو رہے تھے۔ اتنا شور شرابا بھی انہیں جگا نہ پایا تھا۔ رات کی نشے کی دوائی نے بالکل بے سدھ کر دیا تھا۔ اک دکھ بھری نظر اپنے باپ پر ڈال کر وہ واپس اپنے کمرے میں آئی تھی۔

اپنے سب بہن' بھائیوں میں وہ دوسرے نمبر پر تھی' پہلے زین تھا' پھر ناظمہ' شگفتہ' تصور اور پھر زلیخا تھی' زلیخا کو ہر مہینہ خون چڑھتا' اسے تھیلیسیمیا مرض لاحق تھا ہر مہینہ الگ سے خون کے لیے خواری کرنا پڑتی۔

غربت نے کبھی ان کے گھر کا منہ نہیں دیکھا تھا' شمس الدین پہلے سعودیہ میں ایک اچھی ملازمت پر فائز تھے۔ گھر میں پیسوں کی ریل پیل تھی۔ ان کا گھر اچھے فرنیچر اور آلات سے لدا تھا' لیکن جوں ہی شمس الدین بیمار ہو کر واپس چلے آئے' بے روزگاری اور بیماری نے گھر میں غربت کچھ اس طرح ڈال دی کہ دن بہ دن حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے تھے۔ زین جو پہلے پہل پڑھتا تھا' اس نے پڑھائی ترک کر کے مزدوری شروع کر دی' لیکن اتنے بڑے کنبے کو تنہا کھلا نہیں سکتا تھا' وہ جو ان سب میں بہت حساس تھی' اسے شدید احساس تھا' اس گھر کی مجبوریوں کا' میٹرک سائنس میں کر کے وہ گھر پر ہی تھی۔ باقی بہن' بھائی بھی تعلیمی سلسلہ موقوف کر چکے تھے۔

ان نامساعد حالات کو دیکھ کر اس کا کلیجہ پھٹنے کو تھا۔ ان کی ماں بہت سخت رعب و دبدبے والی تھیں' پورے محلے میں ان کا طنطنہ مشہور تھا' مگر اب وہ دن رات جیسے مصائب کی چکی میں پستی جا رہی تھیں۔

رات جب وہ ابا جان کو دوائی کھلا رہی تھی' تو اس نے اپنے دل کی بات زبان سے بیان کر دی۔

"ابا جان! میں ٹیوشن پڑھاؤں' دو' چار پیسے ہی گھر آجایا کریں گے۔ اس محلے میں کتنے گھروں نے مجھ سے بات کی ہے۔ آپ اجازت دیں نا' اکیلا بھائی ہی تو دشوار نہیں' کچھ ہمیں بھی اس کی مدد کرنی چاہیے' پھر اِ جہاں دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بہتر ہے کہ محنت سے خود کمایا جائے۔"

"پر بیٹا تمہاری ماں نہیں مانے گی۔" وہ تذبذب میں پڑ گئے۔

"اس کی فکر نہ کریں' میں انہیں منالوں گی۔" اس نے قدرے جوش سے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے' اپنی ماں کو منالو' میری طرف سے اجازت ہے۔" وہ خوش ہو کر ماں کے پاس چلی آئی۔

صحن میں تخت پر بیٹھے وہ چاول صاف کر رہی تھیں۔

"اماں اک بات کروں آپ سے' غصہ تو نہیں کریں گی۔" کچھ ڈرے' سہمے لہجہ میں کہتی' وہ انہیں استفہامی نظر سے دیکھ رہی تھی۔

"بولو۔" انہوں نے بنا کچھ خاص رد عمل کے کہا۔

"میں ٹیوشنز پڑھاؤں' ابا جان نے اجازت دے دی ہے۔" اپنی بات کہہ کر اس نے اماں کے تاثرات پڑھنا شروع کیے۔

"نہیں۔" ماں کے دوٹوک انداز نے اسے تلملا سا دیا۔

"پر کیوں؟" وہ جھنجلائی۔

"سب کیا کہیں گے؟"

"اگر سب کو فکر ہے ہماری تو پھر ہمارے گھر میں راشن ڈال کے جایا کریں نا' ہماری پڑھائی کا خرچہ' دیگر اخراجات پورے کیا کریں' خالی فکر سے کیا ہو گا۔"

ماں نے کچھ اس انداز سے گھورا کہ قدرے متامل ہو کر ایک بار پھر کہنے لگی۔

"امی یقین کریں' کوئی کسی کا نہیں' خود اپنے لیے جینا پڑتا ہے' خود اپنا کھانا پڑتا ہے' اوروں کی فکر چھوڑیں' ہم سب کی فکر کریں۔ تھوڑا موقع دیں ہمیں کہ ہم خود اپنے پاؤں پہ کھڑے ہو جائیں۔ زلیخا کا سوچیں۔" وہ منت سماجت پر اتری تھی۔

وہ گہری سوچ میں پڑ گئیں۔ محنت میں تو کوئی قباحت نہیں' پھر دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بہتر تھا کہ اپنا کمایا اور کھایا جائے' ایک فیصلے پر پہنچ کر انہوں نے کہا۔

"ٹھیک ہے کرلو اپنی من مانی۔" وہ اٹھیں اور کچن میں چاول بنانے چلی گئیں۔ وہ خوش خوش اٹھ کر ناظمہ کو بتانے چلی گئی۔ پھر اس نے ایسے ہی کیا' وہ ٹیوشنز پڑھانے لگی۔ اس نے ایف اے پرائیویٹ میں داخلہ لیا۔ ساتھ ہی اس نے ایک پرائیویٹ اسکول جوائن کرلیا۔ گھر میں کچھ پیسے آنے لگے تو اماں بھی کچھ مطمئن سی ہو گئیں۔

✲ ✲ ✲

وہ کلاس لے رہی تھی' جب آیا اس کے پاس آئی۔

"آپ کو سر جی بلا رہے ہیں۔"

وہ آفس آئی۔

"آئیں مس سحرش' بیٹھیں۔" وہ بیٹھ گئی۔

"کلاس کیسی جا رہی ہے آپ کی۔" سر کے بارے میں کچھ باتیں مشہور تھیں جن میں سے اک تو یہ تھی کہ وہ حسین خواتین پر فوراً "لٹو ہو جاتے ہیں۔ اور اس عنایت کے بدلے وہ اس خاتون یا لڑکی کو بہت مراعات دیتے' اسے اس انکل نما سر سے کوئی لگاؤ نہ تھا' بس مراعات چاہتی تھی' اس لیے وہ ان کے ہاں میں ہاں ضرور ملاتی۔

"میں نے چائے منگوائی ہے' ساتھ پی لیتے ہیں۔" سر نے کچھ اس لگاوٹ سے کہا کہ دل ہی دل میں ان پر لعنت بھیجتے ہوئے وہ مسکرا کر بولی۔

"تھینک یو سر۔"

"کوئی شکایت تو نہیں نا' سیلری یا کسی بھی حوالے سے کچھ شکایت ہو تو ڈائریکٹ مجھ سے کہنا۔" ان کی حلیمی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بس وہ اتنا ہی کہہ سکی۔

"اگر پے کچھ بڑھ جاتی تو' باقی تو مجھے کوئی شکایت نہیں۔"

"کیوں نہیں۔ آپ کی تنخواہ میں میں نے ہزار بڑھا دیے' اب خوش۔" خباثت سے کہتے ہوئے انہوں نے عینک اتار کر ٹیبل پر رکھ دی۔ سر کے ساتھ بیٹھ کر اس نے چائے پی لی تھی اور ایک دو اشعار سن کر وہ باہر آئی اور قدرے گہرے سانس لے کر اپنی کلاس میں آگئی۔

تمام ٹیچرز اس سے جلنے لگی تھیں۔ سر کیا مہربان ہوئے کہ اس کے پاؤں ہی زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ اس نے ایف اے کے بعد بی اے میں ایڈمیشن لیا۔ اب وہ ٹیچرز کی ہیڈ بنا دی گئی تھی۔

زلیخا کی طبیعت بہت خراب رہنے لگی تھی۔ انہی دنوں جب وہ امتحانات کے سلسلے میں کچھ زیادہ ہی مصروف تھی کہ اسکول میں اسے چھوٹے بھائی تصور کی کال موصول ہوئی۔

"زلیخا فوت ہو گئی ہے۔" وہ رو رہا تھا۔

لڑکھڑاتے قدموں سے فون بند کر کے وہ آفس سے نکلی اور رکشا کر کے گھر چلی آئی۔ گھر میں اک کہرام سا مچا تھا' لوگ بڑی تعداد میں آئے بیٹھے تھے۔ ماں رو رو کر ہلکان ہوئی جا رہی تھیں' دل سخت کر کے اس نے چھوٹی بہنوں کو گلے لگائے اتنا کہا۔

"اس کے لیے موت بہتر تھی۔"

گھر میں اک سوگوار سی کیفیت تھی۔ ابا جان الگ اداس اداس سے بستر کے ہو کر رہ گئے تھے۔ اماں کافی دنوں سے منہ کو قفل لگائے بس اک روبوٹ کی مانند کام کر رہی تھیں' چھوٹی بہنیں سرکاری اسکول جانے لگی تھیں' تصور بھی پڑھنے لگا تھا۔ زین مستقل مزدوری سے وابستہ تھا۔ دن بہ دن اس کی صحت گرتی جا رہی تھی۔ اب تو وہ اسموکنگ بھی کرنے لگا تھا۔ شدید محنت فاقہ اور نامساعد حالات نے اس کے ذہن پر کچھ اس طرح سے اثر ڈالا کہ اس کی ذہنی کیفیت دگرگوں سی ہو گئی تھی۔ مخدوش حالات کے باعث وہ چیختا چلاتا' سب کو پریشان کرتا' دن بہ دن وہ خراب سے خراب تر ہوتا جا رہا تھا۔

سر ابراہیم کی عنایتیں جاری و ساری تھیں۔ رشتہ دار اور محلے والے تو اس کے پیچھے پڑ گئے تھے۔ چچی' فردوس بیگم سے کہہ رہی تھیں۔

"سب باتیں بنا رہے ہیں باجی۔" وہ سب انہیں باجی کہتی تھیں۔

"جوان لڑکی کو اتنی ڈھیل دے رکھی ہے' ایسی ایسی باتیں توبہ...." جلے دل کے پھپھولے پھوڑتے چچی کانوں کو ہاتھ لگائے بولیں۔

"جب فاقوں سے مر رہے تھے اس وقت تو کوئی نوالہ منہ میں ڈالنے نہ آیا' اب ایسی کیا قیامت' اب ہم بھوکے نہیں سوتے' تب ہی سب کے دل میں درد ہو رہا ہے۔" فردوس بیگم اسے ہی سنا رہی تھیں' چچی پہلو بدل کر رہ گئیں۔ رشتہ دار' محلے والے' سب زین کے کان بھرنے لگے تھے۔ فہیم نے تو اک دن زین سے یہ تک کہہ دیا تھا۔

"یار اس اسکول کے پرنسپل کی ریپوٹیشن صحیح نہیں۔ تمہاری بہن کے بارے میں سب غلط باتیں کرتے ہیں۔"

اب تو فردوس بیگم نے لوگوں کی باتوں کی پروا کرنا چھوڑ دیا تھا۔ صبح کے لیے رات سے ہی آٹا گوندھ کر کچن سمیٹ کر اس نے کچن کی لائٹ بند کر کے دروازہ بند کر دیا اور صحن میں پڑے تخت کی طرف آئی۔ آج چونکہ چودھویں کا چاند تھا' پورے صحن میں ہلکی ہلکی روشنی تھی۔ تخت پر بیٹھ کر وہ آسمان کو تکنے لگی۔ آسمان پر تارے ہی تارے تھے۔ جانے کیوں سوچ کی وسعتیں زلیخا کی جانب کھنچی چلی گئی تھیں۔ غربت نے کچھ اس طرح انہیں گھیرا تھا کہ زلیخا کا پورا کا پورا وجود نگل گئی۔ زلیخا کا چہرہ اس کی نظروں میں آ سمایا۔ دو قطرے آنکھوں سے اس طرح گرے کہ پھر گرتے ہی چلے گئے۔ ہلکی ہلکی سردی لپیٹ میں لینے لگی' لیکن وہ ہنوز بیٹھی رہی۔ شگفتہ جو کسی کام سے باہر آئی تھی' اس کو دیکھ کر اس کے پاس چلی آئی۔

"آپی کیا کر رہی ہو' سردی بڑھنے لگی ہے' کمرے میں آؤ۔"

"ہاں.... تم چلو میں آرہی ہوں۔" اک ٹھنڈی گہری سانس لے کر وہ اٹھی۔ شگفتہ اور ناظمہ پڑھ رہی تھیں۔ وہ بستر پر دراز خالی خالی آنکھوں سے انہیں دیکھتی سوچ میں گم رہی۔ پھر خود پر چادر ڈال کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔ کچھ ہی دیر میں وہ نیند کی آغوش میں تھی۔

✲ ✲ ✲

صبح جلدی سے تیار ہو کر وہ اسکول چلی گئی۔ راستہ تیز تیز قدموں سے طے کرتے ہوئے وہ آس پاس سے غافل تھی۔ کچھ غیر محسوس کیفیت سی تھی' یک دم سے اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ محلے کا اکرم اس کے پیچھے پیچھے آرہا تھا.... اس نے قدم تیز تیز اٹھانا شروع کیے۔ اسکول کے گیٹ تک پہنچ کر اس نے مڑ کر دیکھا اکرم گلی کے نکڑ پر کھڑا چند پل کے لیے اسے دیکھتا مڑ کر چلا گیا۔ دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔ خوف سے ماتھے پر آئے پسینے کو صاف کر کے وہ اندر داخل ہوئی۔ اسٹاف روم تک آتے آتے بھی خوف کی شدت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ اکرم کیوں اس کا پیچھا کرنے لگا۔ یہ حیرت' غصے میں تبدیل ہوئی' چادر اتار کر اس نے الماری میں رکھی اور اپنے اندر کے اشتعال پر قابو پانے کی خاطر' ٹیبل پر

دھرے گلاس کو اٹھا کر جگ سے پانی انڈیلتی وہ اسی کو سوچ رہی تھی۔ پانی پی کر اس نے اپنے حواس بحال کرنے چاہے۔

"تو گویا یہ لوگ اب میرا پیچھا اس لیے کرتے ہیں کہ یہ دیکھ سکیں کہ میں کہاں کہاں جاتی ہوں اور کیا کچھ کرتی ہوں۔" سلگتے بھڑکتے ہوئے سوچتی وہ مزید آگ بگولا ہو رہی تھی۔ وہ سارا دن اشتعال میں ہی گزرا تھا۔ گھر آکر بھی موڈ آف ہی رہا۔

شام کے لیے کھانا بناتے وہ اکرم کے دماغ کو ٹھکانے لگانے کا پورا تہیہ کر چکی تھی۔

"آپی بھوک لگی ہے' کھانا بننے میں کتنی دیر ہے۔" شگفتہ نے آکر اسے خیالوں کی دنیا سے باہر نکالا۔

"بس تھوڑی دیر' روٹیاں ڈالتی ہوں۔" فردوس بیگم کسی عزیز کے گھر گئی ہوئی تھیں' آج سارا کام اسے کرنا پڑا تھا۔ بہن' بھائیوں کو کھانا دے کر وہ ابا جان کے پاس چلی آئی۔

"ابا جان آپ کھانا نہیں کھائیں گے۔" ان کے سرہانے بیٹھ کر اس نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"نہیں بیٹا دل نہیں چاہ رہا' تمہاری ماں کہاں ہے؟" انہوں نے بوجھل آواز میں پوچھا' تو وہ بولی۔

"وہ حفیظ انکل کے گھر گئی ہیں' بس آنے والی ہوں گی۔"

وہ کتابیں اٹھائے باہر صحن میں چلی آئی۔ اس کا ماسٹرز پرائیویٹ کرنے کا ارادہ تھا' آج کل پڑھائی کے لیے وقت نکالنا بہت مشکل ہو گیا تھا۔ ایک تو اسکول' پھر ٹیوشنز کے بچے اور پھر گھر کے کاموں سے فرصت ہی نہ ہوتی۔ کچھ دیر تک ورق گردانی کرتی رہی' پھر کتابیں بند کر کے اسکول کے بچوں کے ٹیسٹ چیک کرنے لگی۔

اگلے دن جب وہ بچوں کو ڈرومنٹ ورک کروا رہی تھی کہ آفس سے سر نے بلوا لیا۔ وہ گئی تو آفس میں سر کے ساتھ کسی اور بندے کو دیکھ کر کچھ پل کے لیے دروازے میں رک سی گئی۔

"آئیں مس سحرش۔۔۔" سر کی اجازت پر وہ اندر آئی۔

"بیٹھیں۔" وہ بیٹھی سامنے بیٹھے شخص کی نظریں اس کے سراپے میں الجھ کر رہ گئیں' وہ بہت غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ میرا کزن ہے' اس کے بھتیجے کا ایڈمیشن کرنا ہے' کلاس ففتھ میں۔"

"جی سر۔"

"یہ کام کر دیں آپ' مس رفعت کو بھیج دیں۔"

وہ آفس سے نکلی' مس رفعت کو بھیج کر وہ واپس کلاس میں آئی۔ مس ترنم کلاس لے رہی تھیں' تسلی کر کے وہ فارم وغیرہ اسی شخص سے فل کرا کے بچے کو ایڈمٹ کر چکی تھی' کچھ دن بعد وہ بندہ پھر اسکول آیا۔

"یہ بکس صحیح ہیں' مگر ان کی ٹیچر ان میں سے کچھ چینج کرنے کا کہہ رہی ہیں۔"

"ہاں یہ دو آپ چینج کر دیں' آپ کو میں لکھ دیتی ہوں کہ کون سی چاہئیں۔"

ایک پرچی پر لکھ کر اس نے بکس کے نام دیے۔ کچھ دن بعد وہ پھر آگیا۔ اب کی بار پرنسپل صاحب نہیں تھے' تو ناچار اسے ہی بیٹھنا پڑا۔

"ابراہیم بھائی کہاں ہیں؟"

"وہ میٹنگ میں گئے ہیں' آج پرائیویٹ اسکولز کی میٹنگ ہو رہی ہے۔"

"کیا سیلری ملتی ہے آپ کو یہاں؟" اس کا اگلا سوال کچھ زیادہ ہی پرسنل تھا۔

"فائیو تھاؤزنڈ۔" اس نے سچ بتایا۔

"اگر میں آپ کو اک جاب آفر کروں اور ٹوئنٹی تھاؤزنڈ ہو تو۔" اس کے جملے نے اس کے گلے کو خشک کر دیا۔ تھوک کو نگلتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں؟"

"ہاں۔۔۔ اک این جی او ہے۔ وہاں ایک ویکنسی ہے' اگر تم چاہو تو تم آج جوائن کر سکتی ہو۔" اس کی آفر نے اسے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"میں آپ کو سوچ کر بتاؤں گی' ام۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ میں گھر میں مشورہ کر لوں۔" اس نے بلا تردد کہا۔

"بالکل۔۔۔ پھر مجھے دو دن کے اندر اندر جواب دے دیں۔" اپنا فون نمبر دے کر وہ چلا گیا۔ وہ خوشی سے پاگل ہوتی وہاں سے اٹھ گئی۔ گھر آکر اس نے ماں کو بتایا تو وہ خوشی سے جھوم اٹھی۔

"کیا سچ کہہ رہی ہو۔"

"ہاں۔۔۔ اماں ایسا موقع بار بار نہیں ملتا' کیا کروں۔"

"بالکل۔۔۔ یہ موقع نہ گنوانا۔"

اگلے ہی دن اس نے ہامی بھری اور ذیشان نے اسے کل ہی آنے کو کہا۔ وہ ملازمت شروع ہوئے کوئی پندرہ دن بھی نہ ہوئے تھے کہ اک ناگہانی موت نے انہیں توڑ کر رکھ دیا۔ اس کا باپ خالق حقیقی سے جا ملا تھا۔

☼ ☼ ☼

تخت پر پاؤں پسارے وہ اپنی حرماں نصیبی پر ماتم کناں تھی۔ جانے دکھوں نے اس گھر کو کیوں اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا' جتنا دکھوں سے' حالات سے لڑنے کی تیاری کرتی تو کچھ اور دکھ نصیب میں لکھ دیے جاتے۔

باپ کی فوتگی کی تعزیت کرنے ذیشان بھی آیا تھا۔ زیادہ چھٹیوں سے حرج ہو رہا تھا' اس لیے جلد ہی اس نے جاب پر جانا شروع کر دیا۔ اس کی ماں بھی کچھ عرصہ تک چپکے چپکے آنسو بہانے کے بعد گویا صبر کر چکی تھی۔ اس اندوہناک سانحہ نے در و دیوار کو اداس کر دیا تھا۔ گھر کی فضا بہت زیادہ بوجھل ہو کر رہ گئی تھی۔

تائی سلطانہ آج صبح ہی صبح نازل ہوئی تھیں۔ چائے کے سپ لیتی وہ فردوس بیگم کے صبر کا امتحان لیتی بولیں۔

"سنا ہے وہ لڑکا بھی آیا تھا جو سحرش کے ساتھ کام کرتا ہے۔ بھئی سچ پوچھو تو تایا بہت ناراض ہو رہے تھے' کہہ رہے تھے کہ پرایا لڑکا گھر تک آگیا۔"

"دیکھو آپا! اگر ان باتوں کے علاوہ کوئی اور بات ہے تو کہو' اب اس موضوع پر میں کوئی بات نہیں سنوں گی۔" فردوس بیگم جو سبزی کی ٹوکری میں پڑے آلو چھیل رہی تھیں' دوٹوک انداز میں بولیں۔

تائی تو گویا اچھل پڑیں۔

"اے بی بی اور کیا بات کروں آج کل سب کی زبانوں پر یہی اک بات ہے' اتنی بے حیائی تو دیکھی نہ سنی۔"

"ہاں تو جاؤ اپنے گھر' نہ دیکھو۔" فردوس بیگم نے قدرے سکون سے کہا۔

وہ تو کرنٹ کھا کر اٹھیں اور یہ جا اور وہ جا۔

"آجاتے ہیں منہ اٹھا کر۔ کبھی سوچا کہ ہم کیا کھاتے ہیں' کیا پیتے ہیں۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی آلو کاٹنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

ذیشان اور وہ بہت کلوز ہو گئے تھے۔ وہ سارا دن اس کے پاس ہوتی' اگر دور دراز کے علاقوں کا وزٹ کرنا ہوتا تو بھی وہ اس کے ساتھ ہی ہوتی۔ وہ اس پر بہت نوازشات کرنے لگا تھا۔ وہ بھی ان نوازشوں کا خوب فائدہ اٹھا رہی تھی۔ اب اس کے لباس اٹھنے بیٹھنے' حتیٰ کہ ہیر اسٹائل تک میں تبدیلی آچکی تھی۔ جدید قسم کے لباس اور خوب صورت ہیر اسٹائل نے اسے حسین سے حسین تر بنا دیا تھا۔ ذیشان آج اس کے حسین سراپے کی تعریف کرتے ہوئے بولا۔

"تمہارا یہ حسین سراپا' تمہاری یہ کالی ناگن جیسی آنکھیں' یہ ریشمی گیسو' دیکھ کر کوئی بھی کافر مسلمان ہو سکتا ہے۔" اس کی لگاوٹ آمیز مسکراہٹ دیکھ کر اس کے لبوں پر شرمگیں مسکراہٹ در آئی۔

"یقین کرو کہ ایسا حسن میں نے پہلے کبھی نہ دیکھا۔" اس کا ہاتھ تھامے وہ بڑے جذب کے عالم میں کہہ رہا تھا۔

"اچھا جناب! اب کچھ کام کی باتیں ہو جائیں۔" اس نے چٹکی بجاتے جیسے اسے ہوش دلایا۔

ذیشان بڑے جذبے لٹاتا وہ جان گئی تھی کہ وہ پور پور اس کی محبت کے نشے میں ڈوب چکا ہے۔ وہ بھی اسے یہی احساس دلانا چاہتی تھی' اگرچہ گھر والوں کے لیے وہ بے لوث تھی۔ وہ جو کماتی اس کا زیادہ حصہ ماں کو ہی دیتی - وہ یہ سب اپنے بہن' بھائیوں کے لیے ہی کررہی تھی۔ لیکن اب غیر محسوس انداز میں اک عجیب سا زعم و تفاخر اس کی شخصیت میں در آیا تھا۔ بہت زیادہ مصروفیت کے باعث وہ گھر کے کاموں سے جیسے کٹ کر رہ گئی تھی۔ اور فردوس بیگم بھی اسے کسی کام کو ہاتھ نہ لگانے دیتیں۔

"تھک گئی ہو بیٹا آرام کرو' میں کرلوں گی۔" ہمیشہ یہ جملے ان کے لبوں پر ہوتے۔

ناظمہ ہومیو پیتھک کالج میں چلی گئی' جبکہ شگفتہ میٹرک کررہی تھی۔ وہ ماسٹرز کے پیپرز دے کر فارغ ہوئی کہ اس دوران یہ انکشاف ہوا کہ زین نشہ کرنے لگا ہے۔ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے وہ جیسے ٹرانس کی کیفیت میں تھی۔ اماں الگ رونے دھونے میں مصروف تھیں۔ جب اس نے زین کو سمجھنا چاہا تو وہ الٹا ان پر چڑھ دوڑا۔

"مجھے مت سمجھاؤ۔ اپنی اس بیٹی کو سمجھاؤ۔ جو آج کل اس لڑکے سے چپکی ہر جگہ دکھائی دے رہی ہے اس کے ساتھ۔"

پھر اس کی شان میں وہ بہت کچھ کہتا رہا تھا۔

زین مزدوری ترک کرچکا تھا' اب سارا دن آوارہ پھرتا رہتا۔ البتہ تصور بہت ذہین تھا' وہ دل و جان سے پڑھنا چاہتا تھا۔ وہ بہت دلجمعی سے پڑھتا تھا' ہر کلاس میں اول آتا۔ سحرش کو بھی تصور سے بہت محبت تھی' اسے بہت امیدیں تھیں تصور سے۔ فطرتاً" بھی وہ قدرے سلجھا ہوا تھا۔

آج وہ ذیشان کے ساتھ ریسٹورنٹ میں آئی تھی۔ آئس کریم کھانے کے بعد وہ اٹھے اور گاڑی کی طرف آئے' اس سے پہلے کہ وہ دروازہ کھولتی کہ غیر ارادی طور پر اس کی نظریں دور کھڑے زین پر پڑیں' ابھی تک زین کی نظریں اس پر نہیں پڑی تھیں' یکلخت وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر اس میں بیٹھ گئی اور چادر سے منہ کو ڈھانپ لیا' ذیشان اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہوا؟" وہ حیرت زدہ تھا۔

"بھائی ہے' تمہیں تو پتا ہے نا کہ وہ بات کا بتنگڑ بناتا ہے۔ چلو گاڑی اسٹارٹ کرو۔" اپنے خوف کو کم کرنے کے لیے گہری سانس لے کر وہ مڑ کر اطمینان کر کے بولی۔

"شکر ہے دیکھا نہیں' ورنہ تو...." ذیشان مسکراتا ہوا بولا۔

"تو کیا ہوتا' یہی کہتا کہ کتنا ہینڈسم لڑکا ساتھ بیٹھا ہے۔"

"جی اتنا بھی نہیں۔" اس نے شرارت سے کہا تو وہ مسکرایا۔ گھر آئی تو چچی خورشید کو دیکھ کر نہ چاہتے ہوئے بھی چہرے پر ناگوار تاثرات ابھر آئے۔

"السلام علیکم چچی جان۔"

"وعلیکم السلام۔" ــــــ خوش خلقی سے جواب دیتی وہ سر تا پیر گھورنے لگیں۔

"یہ بھلا کوئی وقت ہے آنے کا' یہ کس قسم کی نوکری ہے جو شام تک بٹھائے رکھتے ہیں۔" ان کی متجسس فطرت جاننے کو بے چین ہورہی تھی۔ ان کی بات کا کوئی جواب نہ دے کر وہ کمرے میں چلی گئی۔

"ارے فردوس تمہاری اس بیٹی کا نخرہ تو آسمان کو چھو رہا ہے۔ دیکھو جواب دینا بھی مناسب نہ سمجھا۔" چچی خورشید کو تو گویا بچھو نے ڈنگ مارا ہو۔

"تھکی ہوئی آئی ہے' سانس تو لے لے' پھر تم سوال جواب کرنا۔" فردوس بھی عاجز آچکی تھیں' ان کے ان فضول سوالوں سے۔

"جاتی ہوں' چولہے پر لوبیا چڑھائی تھی' جل نہ گئی ہو۔" چچی اٹھیں تو فردوس بیگم نے سکون کا سانس لیا۔

٭ ٭ ٭

وہ آفس میں بیٹھی کچھ کاغذات سامنے پھیلائے دیکھ رہی تھی' ذیشان چلا آیا۔

"یہ لو گلاب جامن کھاؤ۔" مٹھائی کا ڈبا اس کے

سامنے رکھے وہ بہت خوش دکھائی دے رہا تھا۔

"واہ.... یہ کس خوشی میں۔" مٹھائی اٹھاتے وہ بھی خوشی سے بولی۔

"میری منگنی کی خوشی میں۔" گلاب جامن جیسے اس کے حلق میں پھنس گیا تھا۔ جسے بمشکل نگلتے بولی۔

"اچھا تم نے کبھی بتایا ہی نہیں کہ تمہاری...."

"دراصل سرپرائز دینا چاہتا تھا۔"

"کون ہے وہ؟" اپنے تاثرات پر اس نے قابو پالیا تھا۔

"کزن ہے میری' میری پسند سے ہی ہوئی ہے' بہت باپردہ ہے' پاک باز سی ہے' بچپن سے دیکھ رہا ہوں اسے' بہت صاف کردار کی ہے' مجھے ایسی ہی بیوی چاہیے تھی۔ امی سے کہا تھا کہ شادی کرنی ہے تو اسی سے ورنہ نہیں۔" وہ جس جذب سے کہہ رہا تھا اس سے بخوبی اندازہ ہورہا تھا کہ وہ اس رشتے کی وجہ سے کس قدر خوش ہے۔

دوسری طرف وہ دم سادھے بیٹھی رہی۔ اس مرد کو باپردہ بیوی چاہیے تھی اور فلرٹ اور افیئرز بے پردہ لڑکیوں سے چلاتا تھا۔ وہ تو اس کے منہ پر طمانچے مار رہا تھا۔ یک دم سے اس کا دل مردوں سے اچاٹ سا ہوگیا۔

"سنو آج شام اک زبردست سی پارٹی ہے' چلو گی۔" اب بھی وہ اس کیفیت سے بے خبر کہہ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے چلیں گے۔" اگر وہ انکار کرتی تو ذیشان کو اس کی کیفیت کا اندازہ ہوجاتا' اس لیے اس نے جانے کی ہامی بھرلی۔

شام کو وہ اچھی طرح سے تیار ہوکر وہ ذیشان کے ساتھ پارٹی میں چلی آئی۔ وہ ایک جانب بیٹھی کولڈ ڈرنک کے سپ لے رہی تھی کہ ایک ادھیڑ عمر کا شخص اس کی جانب چلا آیا۔

"کیا میں بیٹھ سکتا ہوں؟" اس نے بڑی شائستگی سے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کیا میں آپ کے بارے میں پوچھ سکتا ہوں۔" وہ شخص درمیانے قد کا تھا' اس کی رنگت کالی اور توند نکلی ہوئی تھی' آنکھوں پر نظر کا چشمہ لگائے وہ اسے بہت محبت پاش نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"کوئی کام ہے آپ کو مجھ سے۔" ذیشان کا غصہ اس پر اتارتے جیسے وہ کچھ پھٹنے لگی تھی۔

"اگر آپ کو کام ہو تو' میرا مطلب ہے مجھے سیکریٹری کی ضرورت ہے' آپ کام کریں گی' دراصل میں صدیق گروپ آف انڈسٹری کا مالک ہوں اور مجھے ایک سیکریٹری کی ضرورت ہے' اگر آپ...." اس کی بات کاٹتی وہ یک دم بولی۔

"میری سیلری کتنی ہوگی۔" ابرو چڑھا کر اس نے سب لیا۔

"جتنی آپ چاہیں۔" وہ عام سے انداز میں بولا۔

"تو ٹھیک ہے میں تیار ہوں۔" وہ اچانک کسی فیصلے پر پہنچتے ہوئے بولی۔ ذیشان قریب آیا۔

"چلیں۔" اس نے توند والے سے وزیٹنگ کارڈ لے کر پرس میں ڈالا اور ذیشان کے ہمراہ گاڑی کی طرف آگئی۔

"کون تھا یہ توند والا۔" ذیشان گاڑی اسٹارٹ کر کے بولا۔

"اک موٹی آسامی' جاب کی آفر کررہا تھا۔"

"تم نے قبول کرلی آفر۔" ذیشان نے مڑ کر اسے دیکھتے ہوئے عام سے لہجے میں کہا۔

"ہاں...."

"چلو اچھی بات ہے۔" ذیشان نے ایکسیلیٹر پر پاؤں رکھ کر کہا۔

٭ ٭ ٭

اس نے وہاں ملازمت کیا کرلی کہ اس کے تو گویا دن ہی بدل گئے تھے۔ پرکشش سیلری پیکج کے ساتھ دیگر مراعات گھر میں جیسے پیسوں کی فراوانی ہونے لگی۔ نئے صوفے' قالین' کارپٹ' غرض یہ کہ ہر چیز آنے لگی۔

زین بھی اب چپ سا نشے میں دھت خاموش بھری زندگی گزار رہا تھا۔ گھر کے سارے فیصلے اب سحرش کے ہاتھوں پایہ تکمیل کو پہنچتے۔ اک عجیب سا غرور اس

کی شخصیت میں آتا جارہا تھا۔ دنوں کے ساتھ حالات بھی بدل رہے تھے۔

پروفیشنل کاموں میں وہ بہت سینئر تھی۔ کام دل لگا کر کرتی، نظام صاحب اس کی اس ذمہ دارانہ صلاحیت سے بہت انسپائر تھا۔ وہ اب اس کی گڈ بک میں آچکی تھی۔ اور ان کے لیے بہت قابل بھروسہ تھی۔ ایک خاص بات جو اس نے نوٹ کی تھی کہ نظام صاحب کو دیکھ کر جو پہلا خیال دل میں آیا تھا ان کی شخصیت کے حوالے سے وہ بہت بودا نکلا تھا۔ وہ اسے دل پھینک قسم کا انسان سمجھ رہی تھی، جبکہ وہ اپنے کام سے کام رکھنے والے ایک بے ضرر باس تھے۔ اگرچہ وہ ان کے ساتھ پارٹیز میں جاتی، پر کبھی کوئی غیر اخلاقی پہلو اس نے نہیں دیکھا تھا ان کی شخصیت میں۔ یہ شاید اس کی خوش نصیبی تھی کہ اسے یہاں ملازمت اور نظام صاحب جیسا باس ملا تھا۔ یہ عقدہ بھی جلد کھلا تھا، جب وہ پہلی بار ان کی بیوی کو دیکھ پائی تھی وہ اپنی فائلز لیے کمپیوٹر پر کچھ کام کررہی تھی، جب ایک حسین خاتون بلا اجازت اس کے آفس میں آگئیں، خوب صورت قیمتی بلیک ساڑھی میں ان کا بے مثال حسن اور بھی دو آتشہ تھا۔ وہ سیدھی نظام صاحب کے کمرے کی جانب بڑھنے لگیں کہ اس نے آواز دے کر روکا۔

"آپ کون ہیں؟ اور اس طرح بغیر اجازت کیسے جارہی ہیں۔" وہ بنا جواب دیے کچھ پل اسے دیکھتی رہیں، پھر اندر چلی گئیں۔ وہ بھی ان کے پیچھے گئی، مگر یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ نظام صاحب ان خاتون کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"آج یہاں آکر تم نے تو ہمارا دن بنا دیا۔"

ایک حسین ولاپرواسی مسکراہٹ ہونٹوں پر لاتی وہ سحرش کو دیکھ کر نظام صاحب سے بولی۔

"ان کو بتادیں کہ ہم کون ہیں؟"

"اوہ ہاں مس سحرش یہ ہماری مسز ہیں، جمال نشین۔" وہ شرمندہ ہوگئی، اس نے ان کے ساتھ بہت بدتمیزی کی تھی، جس کے لیے معذرت ضروری تھی۔

"اوہ سوری میم... مجھے پتا نہیں تھا اس لیے۔"

"کوئی بات نہیں، یہ آپ کی ڈیوٹی ہے۔" وہ کمال تفاخر سے کہتی، وہ یک دم نظام صاحب سے باتوں میں مشغول ہوگئیں۔

اک دن وہ مبین سے اس بات کا ذکر کررہی تھی۔

"نظام صاحب کی بیوی بے حد حسین ہے، مجھے اس بات کا اندازہ نہیں تھا انہیں دیکھ کر تو آنکھیں بالکل چندھیا سی گئیں۔"

"نظام صاحب ان کے عاشق ہیں۔" مبین اپنے کیبن میں مصروف ہوتے ہوئے بھی اسے جواب دیے جارہا تھا۔

"ان کی عمر میں تو بہت فرق ہوگا نا۔" اس نے دل میں دبے سوال کو اگل ہی دیا۔

"نہیں... وہ تین جوان بیٹوں کی ماں ہے۔" اس کے جواب نے تو سحرش کو بت بنا دیا تھا۔ شدید حیرانی کے عالم میں وہ صرف یہی کہہ سکی۔

"تین جوان بیٹے۔"

"ہاں..." مبین کی انگلیاں کی بورڈ پر بڑی تیزی سے چل رہی تھیں۔

"تب ہی نظام صاحب ادھر ادھر تانکا جھانکی نہیں کرتے۔" دل ہی دل میں سراہتے وہ خود سے مخاطب تھی۔

اس جگہ وہ بہت خوش تھی، آفس کا ماحول بھی مناسب تھا اور سیلری بھی، ناظمہ، ہومیوپیتھک کورس مکمل کرچکی تھی، آج کل پریکٹس کررہی تھی، شگفتہ ایم بی اے کررہی تھی، اور تصور ایف ایس سی کرکے آج کل باہر جانے کے لیے پر تول رہا تھا۔ وہ کبھی ماں کو، تو کبھی سحرش کو کنوینس کرتا رہتا۔ "دیکھو تصور پہلے تم اپنی تعلیم مکمل کرلو، پھر چاہے تو کچھ بھی کرو مگر..."

"اچھا آج کل بڑی بڑی ڈگریوں والے فارغ ہیں، تو میں... پھر یہاں کچھ بھی نہیں ہے، بہت اچھا ویزا ہے، ہوسکتا ہے اللہ نے اس میں ہمارے لیے بہتری لکھی ہو، صرف اک چانس دیں، پھر کبھی نہیں کہوں گا۔ وہی کروں گا جو آپ کہیں گی۔"

اس کی باتوں پر غور کرتی وہ صرف یہی کہہ سکی۔

"ٹھیک ہے، جو تم اپنے لیے مناسب سمجھو۔"

پھر تصور باہر چلا گیا۔ واقعتاً اسے بہت اچھی ملازمت مل گئی۔ وہ بھی کچھ پرسکون سی ہوگئی۔ اماں بچوں کو دیکھ کر خوش ہوتیں، اگر سحرش نے ہمت نہ کی ہوتی تو آج وہ نہ جانے کن حالوں میں ہوتے۔ وہ دن رات سوچتی۔ وہ تمام رشتے دار جو اعتراض کرتے اب جلتے کڑھتے، انہوں نے آنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ وہ ان کے گھر کی آرائش نہیں دیکھ سکتے تھے، نہ فردوس بیگم کے بچوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا دیکھ سکتے تھے۔ فردوس بیگم بھی ان کی لاتعلقی پر خوش ہوتی، پرسکون ہوگئی تھیں۔ ان کا میل ملاپ کون سا فائدہ مند تھا کہ قطع تعلق کچھ فرق ڈالتا۔ محلے والے، رشتہ دار فردوس بیگم کے بچیوں کے لباس، ان کے رہن سہن کو دیکھ کر منہ میں انگلیاں دبائے حیرت زدہ ہوتے۔ سحرش نے تو کبھی کسی رشتے دار اور محلے کے گھر کا منہ تک نہ دیکھا۔ ایسے لوگوں پر لعنت ڈالتی، جو مصیبت میں بجائے مدد کے زخموں پر نمک چھڑکتے ہیں

☆☆☆

وہ مبین کے کیبن میں کھڑی اس سے کچھ ڈسکس کررہی تھی کہ کسی نے اسے مخاطب کیا۔ پلٹ کر اس نے اس شخص کو دیکھا جو غالباً کسی کام سے آیا تھا۔

"جی کہیے۔"

"میں ولید ہوں۔ نظام صاحب نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے، آپ سحرش ہیں نا، نظام صاحب نے آپ کو بتایا ہوگا میرے بارے میں۔" اس کی وضاحت نے کچھ یاد دلایا۔

"جی جی... آئیے، میں آپ کو آپ کا آفس دکھا دیتی ہوں۔"

وہ تیز تیز قدم اٹھاتی اسے اس کے آفس لے گئی۔

"یہ ہے آپ کا آفس، باقی کام آپ کو سر شکیل سمجھادیں گے۔ آپ بیٹھیے، میں سر شکیل کو آپ کے پاس بھیج دیتی ہوں۔"

کچھ ہی دیر میں سر شکیل آچکے تھے۔ وہ اپنے آفس چلی آئی، وہ اس شخص کے بارے میں سوچنے لگی، سر نظام نے کہا تھا کہ آج ایک نیا ایگزیکٹو آفیسر آئے گا، وہ تو بھول ہی چکی تھی، اگر وہ شخص اسے یاد نہ دلاتا، وہ بندہ کافی ینگ تھا، اس کا خیال تھا کہ کوئی ادھیڑ عمر کا بندہ ہوگا، مگر اس کا خیال غلط ثابت ہوا۔ کچھ دیر میں مبین اس کے کمرے میں آیا۔

"مس سحرش تم نے دیکھا وہ بندہ تو کافی ینگ ہے، میرا تو خیال تھا کہ کوئی بڑی عمر کا ہی ہوگا، ایگزیکٹو آفیسر۔" جو وہ سوچ رہی تھی مبین نے بھی بالکل ویسا ہی سوچا تھا۔

"ہاں میرا بھی یہی خیال تھا۔" اس نے اتفاق کیا۔

"چلیں اپنی تو دوستی ہو ہی جائے گی، اپنی عمر کے بندے کے ساتھ، ذرا ایزی فیل ہوتا ہے۔" وہ کچھ زیادہ ہی خوش تھا۔

اس دن کے بعد اس بندے سے اس کی کوئی بات نہ ہوئی تھی۔ جبکہ مبین سے اس کے بارے میں وہ سنتی رہتی۔ وہ ایک دور دراز کے گاؤں سے تعلق رکھتا تھا، ایک ماں تھی، باپ نہیں تھا، دو بہنیں تھیں جو دونوں شادی شدہ تھیں۔ وہ بہت ذہین بندہ تھا، یہ نظام صاحب سے سنا تھا۔ ایک، دو بار ان کی سرسری ملاقات ہوئی جس میں ضروری کام کی بات ہی ہوئی تھی۔ اک دن جب نظام صاحب چھٹی پر تھے وہ بھی سارا کام کرکے فارغ تھی تو اپنے آفس سے نکلی، سیدھی شکیل صاحب کے آفس آئی تھی۔

شکیل صاحب نے ایک جگہ قسطوں پر مناسب فلیٹ دکھانے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ اس کے بارے میں پوچھنے آئی تھی، لیکن آفس میں ولید کو دیکھ کر ٹھٹک سی گئی۔ دونوں آستینوں کو فولڈ کیے ایک ہاتھ ٹیبل پر رکھے دوسرا بالوں میں دھیرے دھیرے پھیرتا وہ ہنوز شکیل صاحب سے ہمہ تن گوش تھا۔

"آئیں مس سحرش، بیٹھیں۔" شکیل صاحب کی نظر پڑی تو یک دم سے اسے مخاطب کرتے ہوئے بولے۔ وہ چپ چاپ سی آکر سیٹ پر بیٹھ گئی۔ دوسری جانب ولید پینٹ کی جیب سے موبائل نکال کر غالباً میسج پڑھنے لگا، اس نے نوٹ کیا ایک بار بھی اس نے اس پر نظر نہیں ڈالی تھی۔

"شکیل صاحب آپ کب دکھائیں گے وہ فلیٹ۔ اگر آج نہیں تو پھر ابھی میں گھر جاؤں گی' کیونکہ مجھے آج جلدی پہنچنا ہے گھر' ضروری کام ہے۔" اس نے کچھ وضاحت کی تو شکیل صاحب چونکتے ہوئے بولے۔

"سوری بیٹا' میں تو بھول ہی گیا' اس طرح کرتے ہیں کہ کل چلتے ہیں' آج تو مجھے بھی اک کام ہے' دراصل بیوی کے کپڑے ٹیلر کو دیے ہیں' اگر گھر نہ لے کر گیا تو سمجھو خیر نہیں۔ پہلے جا کر اس ٹیلر کی خبر لوں کہ آج شام کو اسے شادی پر جانا ہے۔" شکیل صاحب مسکرا کر کہہ رہے تھے۔

وہ اٹھی تو شکیل صاحب ولید سے بولے۔

"تم بھی ابھی جاؤ گے۔"

"ہاں نہیں۔" وہ چونک کر موبائل آف کر کے جیب میں ڈال چکا تھا۔

"میرا کام رہتا ہے' ختم کر کے ہی جاؤں گا۔" وہ انہیں چھوڑ کر نکل آئی۔

☼ ☼ ☼

بے کیف دن راتیں گزر رہی تھیں۔ تصور پیسے بھیجنے لگا تھا' جب مالی حالات بہتر ہوئے تو کچھ اور بے سکونی سی طاری ہونے لگی۔ جانے کیوں اسے محسوس ہونے لگا تھا کہ ولید کے بارے میں کچھ زیادہ سوچتی ہے۔ شاید وجہ وہ دن ہو جب شدید بارش ہو رہی تھی اور وہ ٹیکسی کے انتظار میں کھڑی پریشان ہو رہی تھی' موٹر سائیکل قریب آ کر رکی' جس کو دیکھ کر وہ کچھ پل کے لیے متحیر ہو گئی۔

"بیٹھیں میں چھوڑ دیتا ہوں آپ کو۔" اس کی گمبھیر آواز اس کے سراپے کی مانند حسین تھی' وہ کچھ پل کے لیے متذبذب رہی۔

"دیر ہو رہی ہے۔" وہ ایک بار پھر بولا۔

خاموشی سے پیچھے بیٹھ کر وہ اپنے بیگ کو آگے کر چکی تھی۔ سارا راستہ وہ دونوں خاموش رہے۔ ولید نے بھی کوئی بات نہ کی تھی۔

ایڈریس بتا کر جب اتری تو اس نے اس کا شکریہ ا
کیا -بنا کچھ کہے وہ واپس چلا گیا تھا۔ اک دن ا
بہت تعجب ہوا' مبین کے منہ سے ہی سن کر کہ وہ ا
اس کے بارے میں سوال کرتا ہے۔ مبین کے سا
تو وہ خاموش رہی' پھر شدید حیرانی نے اسے آگھیرا تھا
پھر آج جب وہ مبین کے کیبن کی طرف آ رہی تھی
جو اس کی جانب پشت کیے کھڑا تھا' مبین سے اسی
متعلق کچھ کہہ رہا تھا۔

"مس سحرش آج آئی یا نہیں۔ دکھائی نہیں
دیں۔" بظاہر وہ بڑے عام سے انداز میں پوچھ رہا تھا
مگر کچھ تھا اس کے لہجے میں۔ جسے محسوس کر
سحرش کا دل اچانک دھڑک سا اٹھا۔ اس نے سنا تھا
جب اچانک دل دھڑکنا شروع کر دے تو.... تو کیا وہ
یہی چاہتی تھی وہاں کھڑے کھڑے بھی وہ وہاں نہیں
تھی۔ مبین اسے دیکھ کر ہنستے ہوئے بولا تھا۔

"یہ دیکھو تمہارے پیچھے ہی کھڑی ہیں اور تم ک
رہے ہو کہ دکھائی نہیں دیں۔" اس کا بھانڈا مبین
انجانے میں پھوڑ دیا تھا۔ وہ کچھ خجل سا "سوری" چلا گیا۔

"ارے ابھی تو تمہارا پوچھ رہا تھا اور ابھی.... ایک
دم سے مبین کچھ خیالی انداز میں بولا۔

"اوہ کہیں صاحبزادہ عشق وشق تو نہیں کر بیٹھا۔
پھر تیز آواز میں ہنستا سحرش کو دیکھنے لگا۔

"مجھے تو لگتا ہے یہ تو گیا کام سے۔" وہ ہنوز ہنسے جا
تھا جبکہ سحرش بے خیالی میں اسے دیکھتے رہنے کے ب
اچانک ہوش میں لوٹی۔

"اگر ان بے تکی باتوں سے فرصت ملی ہو تو
عرض کروں۔" اس کی ہنسی کو بریک لگا' پھر ایک بار
سے ہنستے ہوئے بولا۔

"ارشاد.... ارشاد...."

"وہ چھٹی پر ہے۔" دانت پیستے ہوئے وہ پلٹ
اپنے آفس میں چلی گئی' مبین اب سیریس ہونے وا
تھا۔

☼ ☼ ☼

ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی' سردی بڑھ گئی تھی

ندھوں پر پھیلائے وہ چائے بھرا مگ ہاتھ میں
کسی رسالے کی ورق گردانی کر رہی تھی' شگفتہ
استری کر رہی تھی' ناظمہ ناخنوں پر نیل پالش
تھی۔ فردوس بیگم اندر آئیں اور ناظمہ کو دیکھ کر
ناراضی سے بولیں۔

یہ وقت ہے نیل پالش لگانے کا' ماں کا ہاتھ تم کبھی
تم سے اچھی تو شگفتہ ہے جو کپڑوں کا ڈھیر استری
جا رہی ہے' چلو اٹھو سالن چڑھاؤ اور سنو۔" اسے
سے اٹھتے دیکھ کر مزید احکامات جاری کرتے
بولیں۔

"پودینے کی چٹنی اور رائتہ بھی بنانا۔" فردوس بیگم
جائے نماز ڈال کر مغرب کی نماز پڑھنے لگیں۔
کے موبائل کی بیپ بجی تو اک انجانا نمبر دیکھ کر
نے آف کا بٹن دبا دیا۔ دو' تین بار متواتر بجتا رہا'
کار اس نے اوکے کیا۔ دوسری جانب نامانوس سی
سن کر وہ اچنبھے میں پڑ گئی۔

"جی کون؟ آپ کو کس سے بات کرنی ہے؟"

"میں بات کر رہا ہوں ولید۔" پہلی دفعہ موبائل پر
اس کی آواز سنی تھی' اس لیے جان نہ پائی۔

"اوہ سوری' میں پہچان نہ سکی۔ جی کوئی کام ہے
کو۔" اک نظر نماز پڑھتی ماں پر ڈالے اس نے
ک انداز اپنایا۔

"دراصل آفس میں بات ہو نہیں پاتی' تو سوچا
ئل ہی یوز کر لوں۔ کل سنڈے ہے اور میں چاہتا
ں کہ ہم دونوں کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں لنچ
یں۔ میں آپ سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا
ں۔ اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو۔"

"ٹھیک ہے' میں آجاؤں گی۔" جان چھڑاتے اس
یہ جملہ بول تو دیا' مگر دل جس انداز سے دھڑکنے لگا
لگ رہا تھا کہ سینے سے نکل کر باہر آجائے گا۔ اپنی یہ
کیفیت اسے خود عجیب سی لگ رہی تھی۔ اک طرب
حیرت اک جانفزا تصور نے دل میں گدگدی سی
دی۔ اک نقرئی ہنسی آپ ہی آپ ہونٹوں پر در
لی۔

"کس کا فون تھا بیٹا۔" فردوس بیگم دعا مانگ کر تسبیح پڑھ رہی تھیں۔

"کولیگ تھا' کہتا ہے کہ اک ضروری کام ہے' کل ملنا ہے۔" اس نے عام سے انداز میں کہہ کر ماں کو چپ کرا دیا۔ اپنے کمرے میں آ کر وہ بستر پر گر کر جیسے آپ ہی آپ مسکرا اٹھی۔

اس بندے میں جانے ایسی کیا بات تھی کہ جس نے اس عورت کا دل موہ لیا تھا۔ اک عجیب سی کھلبلی وجود میں ہو رہی تھی' ایسا تو اس نے کبھی بھی کسی کے لیے محسوس نہیں کیا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ اس مرد کو پسند کرنے لگی تھی یا شاید محبت کرنے لگی تھی' جو بھی تھا وہ اس دلدل میں اتر چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

اپنی دلکشی سے اس عورت کو ریزہ ریزہ کرنے والا وہ مرد اس ریسٹورنٹ میں بیٹھا اس کا منتظر تھا۔ ریڈ سلک کا نفیس کام والا سوٹ زیب تن کیے وہ اس کے قریب آئی تھی۔ اسے دیکھ کر وہ یک دم سے کھڑا ہو گیا۔

"میں لیٹ تو نہیں ہوئی۔" بیٹھتے ہوئے وہ بولی تو وہ دھیمے پن سے مسکراتا بولا۔

"کوئی بات نہیں۔"

"جی کہیے' کیا بات ہے کہ جس کے لیے آپ کو مجھے یہاں بلانا پڑا۔"

اپنے دل کی حالت چھپاتے ہوئے وہ اس کے لبوں سے سننے کے لیے بے تاب تھی۔

"میں اک سیدھا سا بندہ ہوں' زیادہ کچھ تو نہیں کہوں گا' بس جو دل میں ہے وہی کہوں گا۔ میں بہت دنوں سے تم سے کہنا چاہتا تھا کہ میں تمہیں پسند کرتا ہوں' پہلے میں نے اپنا تجزیہ کیا کہ آیا میں صرف پسند کرتا ہوں یا کچھ اور بھی ہے۔ جب دل کو لگا کہ میں پسند کی سرحد عبور کر چکا ہوں تو پھر یہ رئیلائز ہوا کہ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ جانے یہ بات سن کر تمہیں کیسا لگے' پر میں صاف بات کر رہا ہوں' میں بہت محبت کرنے لگا ہوں تم سے' اور تم سے شادی کرنا چاہتا

ہوں۔"

اس کی اتنی بات پر وہ کھل کر مسکرائی۔

"اتنی سی بات کے لیے اتنا بڑا خرچہ۔" اس کا اشارہ لنچ کی جانب تھا۔

"میری بات کو مذاق میں مت اڑاؤ اور اس کا جواب دو۔" اس نے اس کی باتوں کا برا نہیں مانا تھا' وہ قدرے ریلیکس ہوا تھا۔ دوسری جانب وہ خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کر رہی تھی۔

"میری بات کا جواب دو۔"

"اپنے والدین کو میرے گھر بھیج دو۔" اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھنے سے گریز کرتے ہوئے کہا' تو وہ جیسے جھوم اٹھا۔

"میرا باپ نہیں ہے' ماں کو گاؤں سے بلوا کر میں فوراً بھیجوں گا۔" اس کی جلد بازی پر وہ مسکرائی۔ پھر دونوں نے بہت دیر تک باتیں کی تھیں' ساتھ لنچ کیا' گھر آکر بھی وہ اسی کیفیت میں تھی' اک مسرور سی خوشی دل کو سکون دے رہی تھی۔

ہر گزرتے دن وہ دونوں قریب ہو رہے تھے۔ وہ دونوں عشق کی اس وادی میں ڈوبے ارد گرد سے غافل تھے۔ ان کا رشتہ طے ہو چکا تھا' جلد ہی شادی ہونے کی تیاری تھی۔

آج بھی ولید سے بات کرتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

"شادی سادگی سے کریں گے' میں اپنی شادی میں کسی رشتے دار' عزیز و اقارب کو مدعو نہیں کروں گی' کیونکہ فلیٹ میں نے لیا ہے' میں شادی کا اتنا بڑا خرچہ افورڈ نہیں کر سکتی۔" ولید کے سامنے اس نے بہانہ گھڑ لیا تھا۔ شادی سادگی سے ہی ہوئی' ولید کی جانب سے اس کی ماں اور اس کے کچھ دوست تھے' جبکہ ادھر سے بھی صرف گھر کے لوگ تھے۔ ولید کی ماں کچھ دن ان کے ساتھ رہ کر واپس گاؤں چلی گئی کہ ان بند فلیٹوں میں اس کا دل گھبراتا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ دونوں بہت مسرور تھے۔ ولید اس کا بہت خیال رکھتا وہ بہت کیئرنگ تھا۔ اسے یقین نہیں ہو رہا تھا کہ کبھی دل کی مراد ایسے بھی بر آئے گی۔ آسمان کی نیلاہٹیں دیکھتے ہوئے وہ اپنی خوش نصیبی کو سوچ رہی تھی۔ اس کی شادی کے ٹھیک چار مہینے بعد ناظمہ کی شادی کی تیاریاں شروع ہوئیں' وہ امی کے گھر جاکر تیاریوں میں حصہ لیتی' اسے خوش دیکھ کر اس کی ماں بھی بہت خوش تھی۔ شادی کی تاریخ مقرر ہو چکی تھی' مایوں والے دن جب وہ تیار ہوئی تو ولید کے پاس چلی آئی۔

"چلیں مجھے امی کے گھر چھوڑ آئیں۔" ولید نے گاڑی لے لی تھی' شادی کے دوران ہی اسے پک اینڈ ڈراپ کرتا تھا۔ وہ چونکہ گھر پر اکیلا ہوتا تھا اس لیے وہ ادھر رات نہیں ٹھہرتی تھی' اس کے اکیلے پن کے خیال سے وہ واپس گھر آجاتی تھی۔ ولید اس کی محبت دل سے قدر کرنے لگا تھا۔ وہ گھر کے کام بھی خود کرتی اور ساتھ ہی جاب بھی کرتی۔ اس نے ولید کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا۔ ناظمہ کی شادی بخیریت اپنے انجام کو پہنچی تو فردوس بیگم کے ساتھ اس نے بھی سکون کا سانس لیا۔ لیکن قسمت کہ یہ اطمینان و سکون کچھ پل کا مہمان بننے والا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ نوٹ کر رہی تھی کہ ولید اس سے کترایا کترایا سا رہنے لگا ہے۔ ایک' دو بار اس نے بات کرنی چاہی' پر وہ ٹال گیا۔ وہ اب رات کو جلد ہی سوتا اور صبح بغیر ناشتا کیے جانے کو پر تولتا۔ آج کچھ جھنجھلاتے ہوئے وہ آخر لڑ پڑی۔

"کیا ہے یہ سب' تم ایسے کیوں بی ہیو کر رہے ہو' کیا ہو گیا ہے تمہیں۔"

"کچھ نہیں جلدی کہو جو کہنا ہے میرے پاس فالتو وقت نہیں کہ تمہارے لیکچر سنتا رہوں۔" اس کے لہجے کی کرختگی پر وہ دم سادھے کھڑی رہی۔ پھر ایسا اکثر ہونے لگا۔ وہ وجہ جاننا چاہتی' پر وہ تو کوئی بند کتاب کی طرح چپ سادھے رہتا۔ کمرے کے ملگجے اجالے میں

بستر پر دراز وہ ہادی کو سوچ رہا تھا۔

"یار تم نے اس لڑکی سے شادی کی' یہ کیا کیا تم نے' یہ تو بہت لوز کریکٹر کی تھی' ذیشان میرا اک دوست تھا' اس کے ساتھ افیر چلایا تھا اس نے' اس سے پہلے بھی کسی اسکول کا پرنسپل سے انگیج رہی' یار یہ تو پارسا نہیں' یہ کیا کیا تم نے' ہمارے ساتھ این جی او میں کام کرتی تھی' یہ ذیشان کی گرل فرینڈ تھی۔"

وہ جو کچھ کہہ کے گیا تھا اس نے ولید کو شاکڈ کر دیا تھا۔ ہادی' ولید کو سحرش کے ساتھ دیکھ چکا تھا۔ وہ اک مارکیٹ میں شاپنگ کر رہے تھے۔ سحرش کاسمیٹکس دیکھ رہی تھی' جب ساتھ کی گارمنٹس شاپ سے نکلتے ہادی نے اسے روکا تھا۔ ہادی اور ولید کالج فیلو رہ چکے تھے' کبھی کبھار ملاقات ہوتی رہتی جو کہ اب بالکل ختم ہی ہو کر رہ گئی تھی۔ اور پھر اک ایسا لرزا خیز دن بھی آیا جب اس کی دنیا اندھیر ہو گئی تھی' ولید نے اسے طلاق دے دی تھی۔

☆ ☆ ☆

مہین خاموشی فردوس بیگم کے گھر کی در و دیوار پر چھائی ہوئی تھی۔ یہ خوشیاں اس قدر عارضی ہوں گی تصور میں بھی نہ تھا۔ اضمحلال کی کیفیت نے سحرش کو توڑ کر رکھ دیا تھا۔ آنسو آنکھوں سے گرتے شدت غم کو بڑھاتے تھے۔ رو' رو کر متورم آنکھیں سوکھنا ہی بھول گئی تھیں۔ اضطراب دن بہ دن بڑھتا جا رہا تھا۔ کتنا روئی تھی وہ ولید کے سامنے' کتنی گڑگڑائی تھی کہ وہ طلاق نہ دے پر اسے اس پر رحم نہیں آیا تھا۔ نہایت بے رحمانہ انداز سے اسے اس کا قصور گنواتے اس نے تین بول بولے تھے۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کیا ولید...... تمہیں یقین کیسے دلاؤں' خدا کے لیے مجھے معاف کر دو' میں بہت محبت کرتی ہوں تم سے' ایسا مت کرو میرے ساتھ۔" وہ چلائی تھی۔

"یہ اس وقت سوچتیں جب عشق لڑاتی تھیں مردوں سے۔"

"میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔" وہ چلائی تھی۔ پھر اس کے پاؤں میں گری رحم کی بھیک مانگتی رہی۔ پر وہ غضب ناک ہوتا غراتا رہا۔

"میں نے یک دم فیصلہ نہیں کیا معلومات حاصل کی ہیں ہر جگہ سے' تب جاکر اس فیصلے تک پہنچا ہوں۔"

"ایسے مت کرو' میں نے کچھ نہیں کیا.... میں...." وہ روتی رہی' مگر تین بول' بول کر اسے اپنے گھر سے تو کیا زندگی سے نکال دیا۔

رنجیدگی بھرے دن گزر رہے تھے۔ ماں تسلی' دلاسے دیتی' مگر دل مضطرب کسی صورت قرار نہ پا رہا تھا۔ زندگی بس دفتر اور گھر تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ اس وقت بھی وہ آفس سے تھکی ہاری آئی تو سیدھا اپنے کمرے میں گئی۔ بستر پر دراز وہ آرام کر رہی تھی کہ اس کے کانوں میں چچی خورشید کی آواز گونجی۔

"جب بچے اس قسم کی حرکتیں کریں گے تو زندگی میں ایسے حالات تو درپیش ہوں گے' پسند سے شادی کرنے کا انجام دیکھا۔ میں نہ کہتی تھی کہ تمہاری یہ بیٹی گل کھلائے گی۔"

"چچی صحیح کہہ رہی ہیں۔" زین جو قریب پڑی کرسی پر بیٹھا تھا نشے کی کیفیت میں آنکھیں بند کیے بولا۔

"میں بھی یہی کہتا تھا' مگر میری سنتا کون ہے؟"

فردوس بیگم زین کو کوسنے لگیں۔

"اللہ غارت کرے تمہیں کیا کیا ہے میری بیٹی نے جو تم بھی اس کے پیچھے پڑے رہتے ہو' باقی سب کو چھوڑو تم تو غلط نہ کہو۔" وہ دھاڑیں مار کر رونے لگیں تو چچی خورشید گھبرا کر چلی گئیں' زین بھی منہ بگاڑتا بولا۔

"ان کو سمجھانے لگو تو رونے بیٹھ جاتی ہیں۔" اندر کمرے میں بیٹھی سحرش بھی اپنے آنسوؤں پر قابو نہ پا سکی۔

آہستہ آہستہ وہ زندگی کی طرف لوٹنے لگی تھی۔ ناظمہ کے ہاں بیٹے کی ولادت ہوئی' باقی سب گھر والے گئے' اس نے جانے سے منع کر دیا۔ حالانکہ فردوس بیگم بار بار اصرار کرتی رہیں۔

"اماں نہیں جانا' بس میری طرف سے مبارک باد دے دینا۔"

وہ لوگوں کی طنز بھری باتیں برداشت نہ کر سکتی تھی' اس لیے اپنی دنیا میں مشغول ہو گئی۔ شگفتہ کا رشتہ طے ہوا تو شادی بھی جلد قرار پائی' مہینے کے اندر اندر اس کی شادی سے بھی وہ سبکدوش ہوئی' گھر میں کل تین بندے تھے اور دبیز خاموشی' کبھی کبھار ناظمہ اور شگفتہ کے آنے سے تھوڑی بہت رونق ہو جاتی۔ فردوس بیگم بیٹی کی ویران اجاڑ زندگی دیکھ کر اکثر آبدیدہ ہو جاتیں۔ سحرش بہت خاموش سی ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ اس شخص کو بھلا نہ پائی تھی' اس نے اسے ٹوٹ کر چاہا تھا۔ سچے دل سے محبت کی تھی۔ ایک سچی اور خالص محبت جسے تار' تار کرتا روندتا وہ اس کے منہ پر مار کر چلا گیا۔ یہ غم اندر ہی اندر پھیلتا جا رہا تھا۔ دو سال ہوئے تھے اسے اس طرح رہتے۔ اس کی شخصیت کرچی کرچی سی ہو کر رہ گئی تھی۔ آج کچھ ضروری سودا سلف لینے وہ مارکیٹ گئی تھی۔ خریداری کرتے ہوئے اسے زینت ملی تھی۔ اس نے اسے پہچان لیا تھا۔ بلیک عبایا پہنے وہ بھی خریداری میں مصروف تھی۔

"سحرش تم' یہاں کیسے؟" خوشگوار سی حیرت میں گھرے زینت نے پوچھا۔

"تم سناؤ' یہاں کیا کر رہی ہو؟" وہ بھی اسے دیکھ کر شدید حیرت میں مبتلا ہو رہی تھی۔

"کہاں ہوتی ہو' گاؤں سے آئی ہو۔" اس نے ایک بار پھر سوال کیا تھا۔

"نہیں یہیں رہتی ہوں۔ تم آؤ نا کسی روز۔" زینت نے خوش خلقی سے کہا ' وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

"ٹھیک ہے' پر کوئی کانٹیکٹ نمبر تو دو۔" فون نمبر لکھوا کر زینت رخصت ہو گئی۔

گھر آکر بھی وہ زینت کو سوچتی رہی تھی۔ زینت نے اس کے ساتھ میٹرک کیا تھا۔ وہ کسی گاؤں کی رہنے والی تھی۔ ہاسٹل میں مقیم تھی۔ بہت خاموش' لیکن نہایت شارپ' وہ بہت سخت ماحول میں پلی بڑھی تھی۔ گھر میں ٹی وی' رسالے نہیں آتے تھے' کہیں آنے جانے کی اجازت نہیں تھی' غرضیکہ ہر قسم کی پابندی تھی۔ اس گھٹے ہوئے ماحول میں رہتے وہ تنگ آچکی تھی۔ ہاسٹل سے باہر کسی نہ کسی بہانے جاتی ' وہ کافی لڑکوں سے دوستی کر چکی تھی۔ ایک' دو کے ساتھ تو اس نے اخلاقی حدود تک پار کر لی تھیں ۔ اور ایسا اس نے سحرش کو خود بتایا تھا۔ سحرش نے اس سے دوستی ختم کر لی تھی' کیونکہ وہ جس قسم کی سرگرمیوں میں ملوث تھی' وہ قابل بھروسہ ہرگز نہ تھی۔ آج اسے دیکھ کر اسے شدید حیرت ہوئی تھی۔ اس کا دیا گیا وزیٹنگ کارڈ اس نے پھاڑ کر پھینک دیا تھا۔ وہ اس سے دور ہی رہنا چاہتی تھی۔ جانے کیوں وہ آج تک اس سے نفرت کرتی تھی۔

☼ ☼ ☼

ولید سے طلاق کے بعد اس نے وہاں سے جاب چھوڑ دی تھی اور ایک دوسری جگہ اپلائی کیا۔ وہاں بھی اسے بہت اچھی پوسٹ پر مناسب سیلری کے ساتھ جاب ملی ۔ وہ مطمئن تھی کہ جیسے تیسے بھی گزر بسر ہو رہی تھی۔ اب تو دل کی ہر لگن ہی ختم ہو گئی تھی۔ ماں نے کئی بار شادی کرنے کا مشورہ دیا' لیکن اس نے ہامی نہ بھری۔

"ایک بار کر کے کیا فائدہ ملا رہنے دیں اماں' گزر رہی ہے' جیسی بھی ہے۔"

فردوس بیگم اک ٹھنڈی گہری سانس لے کر نماز کے لیے اٹھ گئیں۔ گملے میں لگے پودینہ کے پتے توڑ کر اس نے دوسرے گملے میں لگی مرچیں بھی توڑیں اور کچن میں جا کر سلاد بنانے لگی۔ سلاد میں وہ مرچوں اور پودینہ کا زیادہ استعمال کرتی تھی۔ اسی مقصد کے لیے اس نے گملوں میں ہی دونوں چیزیں لگائی تھیں۔

چاولوں کے ساتھ سلاد کھاتی وہ شگفتہ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ کافی دنوں سے اس نے چکر نہیں لگایا تھا' کل آفس سے چھٹی کے بعد خود اس سے ملنے کا تہیہ کرتے ہوئے اس نے کپڑے استری کر لیے

تھے۔ شام پانچ بجے جب وہ آفس سے نکلی تو مغرب میں کچھ ہی دیر تھی' تیزی سے قدم اٹھاتی وہ ایک مارکیٹ میں گھسی۔ دو کولڈ ڈرنک کی بوتلیں اور کچھ پھل لے کر وہ ٹیکسی کی جانب آئی' ٹیکسی میں بیٹھ کر اس نے چلنے کا اشارہ کیا ہی تھا کہ اسی اثنا میں اس کی نظریں ولید پر پڑیں۔ الجھے تاثرات لیے وہ ٹیکسی سے اتر چکی تھی۔

"بھائی ذرا رکو' میں ابھی آتی ہوں۔" ولید ساتھ کھڑی خاتون کو چھوڑ کر غالباً" واپس مارکیٹ گیا تھا۔ قریب آنے پہ اس کے خیال کی تصدیق ہو چکی تھی۔ وہ زینت تھی۔

"زینت تم یہاں کیا کر رہی ہو۔" دل میں عجیب وسوسے کے باعث وہ صرف یہی پوچھ سکی۔

"میں شوہر کے ساتھ آئی ہوں' اسپتال آئی تھی چیک اپ کے لیے' ابھی پانچواں چل رہا ہے نا' کچھ چیزیں چاہیے تھیں' وہ لینے اندر گیا ہے۔" اس نے وضاحت دی' جبکہ سحرش کے قدم لڑکھڑا سے گئے تھے۔

"تمہارے شوہر کا کیا نام ہے؟"

"ولید۔۔۔ تم کیوں پوچھ رہی ہو۔" زینت نے عام سے انداز میں کہا' پھر خود ہی گویا ہوئی۔

"پھوپھو کا بیٹا ہے میرا' ہمارے ساتھ کے گاؤں میں رہتے تھے۔ اب یہیں سیٹل ہو چکے ہیں۔ پہلے اک جگہ شادی ہوئی تھی' وہ زیادہ چل نہ پائی' طلاق ہو گئی۔"

"اچھا میں چلتی ہوں۔" لرزتے لڑکھڑاتے وہ واپس ٹیکسی کی جانب آئی۔

"بظاہر شریف نظر آنے والی زینت سے شادی کر کے ولید اس بات پر نازاں تھا کہ اس نے اک شریف پاک باز عورت پالی۔ تو یہ تھا اس مرد کا زعم' اس کا غرور' گھمنڈ' میں نے کہا تھا نا ولید کہ ہو سکتا ہے کہ دوسری عورت مجھ سے زیادہ غلط ہو' ناپاک ہو' اور تم نے بڑے تفاخر سے کہا تھا کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ اب کیا ہوا' تم مردوں نے عورتوں کو اتنا گھٹیا چیز جان لیا کہ جس وقت چاہا پھینک دیا' جس وقت چاہا استعمال کر لیا۔"

کیسا انصاف تھا اس رب کا ———— دل میں لگی آگ سرد پڑتی جا رہی تھی۔

"اگر آج میں تمہیں بتا دوں کہ آؤ دیکھو تم اپنی بے بسی کہ تمہاری بیوی کتنی پاک باز ہے۔ پر میں ایسا نہیں کروں گی۔ میں کسی عورت کا گھر تباہ نہیں کروں گی۔ پھر اس مرد سے بھی تو اپنا حساب چکتا کرنا ہے۔ یہ پاک باز بیوی مبارک ہو۔"

ٹیکسی شگفتہ کے گھر کے قریب رک گئی تھی۔ ٹیکسی سے اترتے ہوئے ایک مطمئن و آسودہ مسکراہٹ نے اس کا گھیراؤ کر لیا تھا۔

☼ ☼

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے 2 خوبصورت ناول
دل کے موسم
مریم عزیز
قیمت 250 روپے
ننگے پاؤں
نگہت سیما
قیمت 250 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37، اردو بازار، کراچی